© rasailojaraid.com

التقریظ والانتقاد

جامع المجددین

از

(سعید احمد)

(۹)

اس صورت حال کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بنیادی طور پر اس کے اسباب حسب ذیل تھے۔

(۱) جہالت:

(۲) مسلمانوں کا سیاسی زوال

(۳) انگریزوں کی حکومت کا قیام

(۴) مغربی علوم وفنون اور ان کے ساتھ مغربی تہذیب وفکر جدید کا سیلاب عظیم!

جہالت

اورنگ زیب عالمگیر کے بعد سے ہندوستان کی اسلامی سوسائٹی اور مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت کا جو نقشہ بن گیا تھا اس میں اگرچہ مذہب اور مذہبی روایات معدوم نہیں ہوئی تھیں۔ لیکن اندرونی اور بیرونی اثرات کے ماتحت جن میں خانقاہی تصوف اور فلاطونی اشراقیت کو بڑا دخل تھا مذہب کی اصل اسپرٹ بہت مضمحل ہوگئی تھی اور مذہب نام رہ گیا تھا چند بدعات و محدثات کا۔ چند رسومات اور عوائد کا، اس کی وجہ یہ تھی کہ دین کی اصل تعلیم کا فقدان تھا اور مسلمان عام طور پر جہالت میں مبتلا تھے اس بنا پر جو اصل دین تھا یعنی استقامت علی الحق، قرآن وحدیث کا صحیح اتباع مسلمان اس سے دور تھے اور جو چیزیں منافی اسلام یا خارج از اسلام تھیں مثلاً پیروں فقیروں کی نذر ونیاز عرس قوالی۔ وجد وحال، شادی بیاہ۔ ولادت و وفات کے رسومات ان کو اسلام سمجھنے لگے تھے اس لئے پہلی ضرورت یہ تھی کہ مسلمانوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو اصل دین سے آگاہ کیا جاتا۔ اور انہوں نے حسن وقبح کا جو معیار خود قائم کر لیا تھا اس کو ان سے چھین کر ان کے ہاتھ میں ایک صحیح معیار دیا جاتا۔

مسلمانوں کا سیاسی زوال جب کسی قوم پر سیاسی زوال طاری ہوتا ہے تو یہ زوال و انحطاط اس کی سیاسی زندگی ہی تک محدود نہیں رہتا۔ بلکہ اس کے اثرات اس کے ذہن وقلب اور اُن کے اخلاقیات پر بھی پڑتے ہیں۔ بلند نظری کی جگہ پست ہمتی، خودداری اور بے نیازی کی جگہ دوسروں پر بھروسہ کرنے اور اُن کے رحم وکرم کے متمنی رہنے کی اس میں خو پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اپنی انفرادیت اور اپنے تشخص کو بھول کر با اقتدار جماعت کی نقالی اور ان کی پیروی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھنے لگتی ہے۔ چنانچہ الناس علیٰ دین ملوکھم اور کاد الفقر ان یکون کفرًا میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

انگریزوں کی حکومت کا قیام ہندوستان میں مسلمانوں کا سیاسی زوال ہوا تو ایک ایسی قوم کے ذریعہ ہوا جو حکمرانی وانتظام مملکت کے اعتبار سے بے شبہ مسلمانوں سے کہیں زیادہ فائق تھی۔ اس کے پاس قوت عمل تھی، بیدار مغزی کا جوہر تھا۔ ایک منظم اور مربوط قانون تھا۔ دماغی اور جسمانی صلاحیتوں کے لحاظ سے بھی اُس وقت کے مسلمانوں سے من حیث القوم اعلیٰ اور متفوق تھی۔ اُس کے پاس جدید ایجادات واختراعات کا ایک طلسم اور ان کے ذریعہ مادی زندگی کو خوشگوار وخوش نما بنانے کا ایک نسخۂ کیمیا تھا اس بنا پر مسلمانوں کا اس قوم سے مرعوب ہونا ضروری تھا۔

مغربی علوم وفنون مسلمانوں کی یہ مرعوبیت جو سیاست کے راستہ سے آئی تھی دین حق سے منحرف کرنے کے لئے یہ بھی کچھ کم نہ تھی کہ مغربی علوم وفنون کے سیلاب نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ سائنس اور اُس کے ایجادات واختراعات نے انسان کا نقطۂ نظر روحانی کے بجائے مادی بنا دیا۔ اور اس کے علاوہ زندگی کو شور وغل اور ہنگاموں سے اس درجہ پر کر دیا کہ انسان کو مادی زندگی کی ضرورتوں سے ہٹ کر اپنی روحانی ضرورتوں پر غور کرنے اور ان کے متعلق کچھ سوچنے اور سمجھنے کی فرصت ہی نہیں رہی پھر علم الحیات اور اس سلسلہ کی تحقیقات وانکشافات نے دنیا۔ اور اس کی پیدائش زندگی کے نشو ونما۔ اور اس کے آغاز وانجام کے متعلق جو مذہبی تصورات ومعتقدات تھے اُن کی بنیادیں متزلزل کر دیں حضرت آدم کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدائش۔ ملائکہ اور شیطان کا حضرت حق سے مکالمہ۔ زمین و آسمان کا حدوث۔ یہ اور اسی طرح کی دوسری چیزوں کی نسبت جو مذہبی روایات تھیں وہ ایک افسانہ نظر آنے لگیں۔ علاوہ بریں مغربی فلسفہ نے خیر و شر، نیکی اور بدی اور ثواب و عذاب اور جنت اور دوزخ وغیرہ اخلاقیاتی اور مابعد الطبعیاتی مسائل کی نسبت مذہب کی جو تعلیمات اور تشریحات و توضیحات تھیں ان کو مشکوک و مشتبہ قرار دے دیا اور اسی طرح مسلمانوں کا فکر بدلا اس کے سوچنے اور کسی شے کے حسن و قبح کو پرکھنے کا معیار بدلا۔ اور دل و دماغ کی اس تبدیلی نے اس کے عمل کی کائنات کو یکسر منقلب کر کے رکھ دیا جس طبقہ نے ان علوم و فنون کو حاصل کیا وہ تو اس سیلاب میں دست و پا شکستہ ہو کر اس طرح بہا کہ اس کو اپنے مذہب سے۔ قومی روایات سے۔ اپنی زبان سے قومی و ملی عوائد رسمیہ سے۔ اطوار معاشرت اور وضع قطع سے نفرت سی ہو گئی اور وہ بالکل ہی ایک دوسرے سانچہ میں ڈھل گیا۔ لیکن اس ذہنی انقلاب کے اثرات صرف اسی طبقہ تک محدود نہ تھے بلکہ وہ اس درجہ دور رس اور ہمہ گیر تھے کہ جو لوگ اپنی چہار دیواری میں ان علوم و فنون کے اثرات سے اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھتے تھے اور جو مذہب کی روایات کے حامل یقین کئے جاتے تھے ان میں بھی یہ تبدیلی پیدا ہو گئی کہ منبر پر بیٹھ کر وہ نماز کی فرضیت اور اس کے فضائل پر تقریر کرتے تھے تو اس کے دلائل میں اہمیت اس بات کو ہوتی تھی کہ نماز سے ڈسپلن پیدا ہوتا ہے ورزش ہوتی ہے اور اوقات کی پابندی کی خو پیدا ہوتی ہے روزہ ان کے نزدیک اس لئے فرض تھا کہ اس سے غریبوں اور محتاجوں کی بھوک کا احساس ہو۔ معدہ کی حالت درست ہو۔ زکوٰۃ اس لئے ضروری تھی کہ سرمایہ کسی ایک جماعت اور گروہ میں محدود ہو کر نہ رہ جاتے حج اس لئے فرض تھا کہ وہ مسلمانانِ عالم کی ایک سالانہ بین الاقوامی کانفرنس تھی، مسلمان تباہ حال تھے تو ان کے نزدیک اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی اقتصادی اور معاشی حالت خراب تھی انگریزوں کا ہندوستان پر سب سے بڑا ظلم تھا تو وہ یہ کہ وہ اس ملک کے باشندے نہیں تھے ان کی قومیت ہندوستانی نہیں تھی انھوں نے یہاں کے معاشی اور اقتصادی ذرائع و وسائل پر جارحانہ قبضہ کر لیا تھا۔ یہ سب باتیں جو کہی جاتی تھیں اپنی جگہ پر درست اور بجا تھیں لیکن انھیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چیزوں پر زور دیا اور انھیں کو معیارِ حسن و قبح بنا کر پیش کرنا وہ غیر شعوری انقلاب ذہنی کی غمازی کر رہا تھا جو جدید علوم و فنون نے ہر طبقہ اور ہر جماعت میں کسی میں کم اور کسی میں زیادہ پیدا کر دیا تھا ورنہ قرآن و حدیث سے سروکار رکھنے والوں کے لئے کسی طرح زیبا نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ مشاہدۂ حق کی گفتگو بھی بادہ و ساغر کہے بغیر نہ کریں۔ ایک طرف یہ تھا ہی کہ جدید علوم و فنون کے ساتھ تہذیبِ نو کی ناظورۂ خوش جمال نے ایک اور جال بچھایا اور زندگی کے سادہ نقشے میں لذتیت ابیقوریت اور حظ طلبی کا رنگ بھر کر اسے بالکل مسحور و مسخر کر دیا اور اب اُس میں اس کی صلاحیت ہی نہ رہی کہ وہ روحانیت اور اخلاقِ حسنہ کی دنیا کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی دیکھے۔

غرض یہ ہے کہ یہ وہ اسباب تھے جن کے باعث اسلام اس ملک میں ایک روایت کہن ہو کر رہ گیا اور مسلمان مجموعی طور پر اس شعر کا مصداق ہو گئے کہ

رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھئے تھمے   نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

ان حالات میں اگر کوئی مجدد ہوتا تو اس کا فرض تھا کہ مسلمانوں کے دینی زوال کے تمام مذکورۂ بالا اسباب کو سامنے رکھ کر ایک ایسا ہمہ گیر اور ہمہ جہتی پروگرام لے کر چلتا جس کے کامیاب ہو جانے پر ان سب کا خاتمہ ہو جاتا۔ یہ تو بہت مشکل تھا کہ تن تنہا ایک ہی شخص یہ تمام کام کرتا لیکن کم از کم ایک ایسا شخص تو ہونا چاہئے تھا جو ملتِ اسلامیہ کے زوال و انحطاط کے ان اسباب پر یکساں نظر رکھتا اور ان میں سے ہر ایک کی ضرورت اور اہمیت تسلیم کر کے ایک ایسی جماعت پیدا کرتا۔ جس کے افراد مختلف شعبوں میں کام کرتے مگر مقصد سب کا ایک ہی ہوتا اس دور کی شخصیتوں پر ہم نظر ڈالتے ہیں تو صرف ایک مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ایسی ہمہ گیر اور جامع نظر آتی ہے جس میں تقویٰ و طہارت کے ساتھ علم و فضل بھی ہے تحریر و تقریر میں کمال کے ساتھ شمشیر زنی کا جوہر بھی ہے جس میں حالات کے تقاضوں کے صحیح ادراک و احساس کے ساتھ گرم جوشی اور ٹھنڈے دماغ کے ساتھ کام کرنے کی پوری صلاحیت بھی ہے۔ جو میدانِ وغا کا ایک بہادر سپاہی بھی ہے اور مسائلِ اسلام کا ایک بلیغ البیان متکلم بھی! جو فقیری و درویشی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ ساتھ دماغ سکندری رکھتا ہے۔ اور جو بوریہ پر بیٹھ کر حکومتوں کے شکست و ریخت کے نقشے بھی تیار کرتا ہے۔ جو بیک وقت صوفی بھی ہے فلسفی بھی منطقی بھی ہے اور متکلم بھی۔ غازی بھی ہے اور خطیب بھی۔ قاطع بدعات و رسومات بھی ہے اور نباضِ شریعت بھی واعظ بھی ہے اور مناظر بھی پاک طینت و پاک نہاد بھی ہے اور شر و باطل کی قوتوں سے ٹکرا جانے والا بھی۔ اس کا دماغ روشن ہے اور دل بیدار... حالات کے بدلنے کے ساتھ ساتھ اس کا طریق فکر بھی بدلتا ہے اور وہ کسی محاذ پر بھی شکست خوردگی محسوس نہیں کرتا جب تک انگریزوں کی حکومت قایم نہیں ہوئی تھی تو وہ اپنی ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ تلوار لے کر میدانِ جنگ میں کود پڑا اور گو فتح و شکست نصیبوں سے ہے لیکن ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ جنگ میں اس نے شمشیر زنی کے وہ کمالات دکھائے کہ اچھے اچھے ماہرینِ جنگ عش عش کر اٹھے۔ پھر جنگ میں شکست ہو گئی تو اس نے اپنی کوششوں کا رخ یک لخت بدل دیا اور وہ ایک مدرسہ لے کر بیٹھ گیا جہاں نئی نسل کی تعلیم و تربیت دین کی اصل تعلیمات کی روشنی میں ہو اور اس کے ذریعہ فرنگی تہذیب و تمدن اور فرنگی حکومت کی تیز و تند آندھیوں میں بھی اسلام کا چراغ بجھنے نہ پائے اس طرح اگرچہ ظاہر میں مولانا کے کام کی نوعیت صرف ایک تعلیمی اور دینی کام کی تھی۔ لیکن درحقیقت وہ اس سے بے خبر نہ تھے کہ محض علماء پیدا کرنے سے اصل مسئلہ کا حل نہ ہوگا۔ بلکہ جب تک فرنگی حکومت کے پنجے سے مسلمانوں کو آزاد کر کے ان کی شکست خوردہ ذہنیت اور مرعوبیت کو دور نہ کیا جائے گا اسلام کو طبعی طور پر ابھرنے کا موقع نہیں ملے گا چنانچہ مولانا کی تحریروں اور تقریروں سے اور ان کے طور و طریق سے یہ بات صاف طور پر واضح ہوتی تھی کہ انھوں نے یہ مدرسہ ایک بہت وسیع اور ہمہ گیر پروگرام کے پیش نظر قایم کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت اس مدرسہ کو ہمیشہ شک و شبہ کی نظر سے دیکھتی رہی۔ بارہا دشمنوں نے یہ خبر اڑائی کہ یہاں جہاد کی تعلیم دی جاتی ہے۔ پولیس نے تلاشیاں بھی لیں اور حکومت کی طرف سے درپردہ اور کھلے طور پر تحقیقات بھی ہوتی رہیں گویا یہ وہ مورچہ تھا جو مولانا نے ایک طرف اسباب زوال کے نمبر ایک جہالت۔ نمبر۲ سیاسی زوال۔ اور نمبر۳ انگریزوں کی حکومت کے خلاف تیار کیا تھا۔ اب رہ گیا چوتھا سبب یعنی مغربی علوم و فنون کا سیلاب عظیم تو اول تو یہ سیلاب مولانا کے زمانہ میں ایسا حشر آفریں نہ تھا پھر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جتنا کچھ بھی تھا مولانا اس کی اہمیت سے بے خبر نہ تھے مگر آپ کے پیش نظر بنیادی کام یہی تھا کہ مسلمان اپنی اندرونی تنظیم کے اعتبار سے سچے اور پکے مسلمان ہوں انگریزی تعلیم کا جو کام سر سید احمد خاں نے شروع کیا تھا مولانا نانوتوی کو اس کے اصل مقصد سے اختلاف نہیں تھا اور نہ ان جیسے روشن دماغ بزرگ کو ہو سکتا تھا۔ بلکہ اختلاف جو کچھ بھی تھا وہ سر سید کے مذہبی خیالات سے تھا اور ان کی انگریزوں سے اس مرعوبیت سے تھا جس کا اظہار سر سید کی تحریروں اور تقریروں سے ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے جامعہ ملیہ کی تاسیس اور علی گڑھ کے طلباء سے خطاب کرتے وقت جو تقریر کی ہے اس سے یہ بات بخوبی روشن ہو جاتی ہے۔

افسوس ہے کہ مولانا کی عمر نے وفا نہ کی اور وہ اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ کم سنی میں اس دنیا کو خیر آباد کہہ گئے لیکن آپ نے اپنے بعد جو جماعت چھوڑی اس نے مولانا کے مختلف کاموں کو اپنے افراد میں بانٹ لیا اس میں آپ کو علوم و فنون اسلامیہ کے ماہر و بحر ذخار بھی نظر آئیں گے اور بزم طریقت و سلوک کے صدر نشین بھی۔ ان میں مجاہد فی سبیل اللہ بھی دکھائی دیں گے اور خوش بیان مقرر و خطیب بھی۔ ان میں بین الاقوامی سیاسیات کے مبصر بھی ملیں گے اور عہد حاضر کی زبان میں مسائل اسلام پر گفتگو کرنے والے بھی۔ گویا ایک مجدد میں بیک وقت جو اوصاف ہونے چاہئیں تھے وہ سب تو کسی خاص ایک شخصیت میں جمع نہیں ہوتے۔ البتہ ایک جماعت ایسی پیدا ہو گئی جس کے افراد نے ان اوصاف کو تقسیم کر لیا اس بناء پر اس جماعت کی کوشش سے وہی اثرات مرتب ہوئے جو ایک مجدد کے اثر سے پیدا ہوتے چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ انیسویں صدی کے ربع آخر اور بیسویں صدی کے ربع اول میں ہندوستان کے مسلمانوں میں نشاۃ ثانیہ کے جو اثرات ظاہر ہوئے ہیں ان حالات اور اس ماحول کے ساتھ ان کی نظیر مشکل سے ملے گی لیکن یہ واضح رہنا چاہیے کہ پھر بھی یہ تجدید کامل نہیں تھی بلکہ چند اسباب کی وجہ سے جن پر گفتگو کا یہ موقع نہیں ہے اور جن میں سب سے زیادہ اہم علمائے کرام کی انگریزی زبان اور مغربی علوم سے بے خبری ہے یہ تجدید ناقص تھی اور اسی کا آج یہ نتیجہ ہے کہ ہم اپنی ساٹھ ستر سال کی بیخ عمارتوں کو متزلزل دیکھ رہے ہیں اور ان کا وجود اب خطروں میں گھرا ہوا نظر آ رہا ہے۔ بہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حال ناقص سہی تجدید ضرور ہوئی اور اس میں علماء یا غیر علماء کی کسی ایک جماعت کی تخصیص نہیں بلکہ ملک کے مختلف گوشوں میں علم و ادب۔ سیاست و تعلیم۔ شریعت و طریقت تصنیف و تالیف تحریر و تقریر۔ تبلیغ و اشاعت اسلام وغیرہ مختلف محاذوں پر کام ہوئے اور ان سب کا نتیجہ مجموعی طور پر جو کچھ ہوا اس کو آپ تجدید کہہ سکتے ہیں۔ البتہ اس میں شبہ نہیں کہ جہاں تک خالص دینی لائن پر تجدید کرنے کا تعلق ہے اس میں حصہ غالب اسی جماعت کا ہے جو مولانا نانوتوی سے انتساب رکھتی ہے جیسا کہ ہم نے اس بحث کے شروع میں کہا تھا مولانا تھانوی بھی چونکہ اس جماعت کے ایک رکن ہیں اسی بناء پر بے شبہ تجدید میں ان کا بھی حصہ ہے اور اس سلسلہ میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ تصوف جو مسلمانوں کے لئے ایک افیون کی انٹی بن گیا تھا اور جو عجمی اور غیر اسلامی اثرات کے ماتحت اسلامی تصوف سے جس کی حقیقت اسلام کی اصطلاح میں احسان ہے ایک مختلف چیز ہوگیا تھا مولانا نے اس پر عمل جراحی کر کے اسے آلائش اور فاسد مادہ سے پاک و صاف کیا اور اس کی اصل شکل و صورت کو نکھار کر پیش کیا جس کے باعث تصوف کوئی ایسی چیز نہیں رہا جس کی ایک گولی یا پھنکی کھا لینے سے نیند سی آنے لگے اور قوائے عمل مضمحل ہو جائیں اس کے علاوہ مولانا کا ایک اور کارنامہ یہ ہے کہ اسلام کی دو حیثیتیں ہیں ایک تعبدی۔ اور دوسری نظام اجتماعی کی جدید سیاسی اور قومی تحریکات جو تحریک خلافت سے اٹھتی اور فنا ہوتی رہیں انھوں نے اسلام کے نظام اجتماعی ہونے کی حیثیت پر اتنا زور دیا کہ اس کی تعبدی حیثیت بہت مضمحل ہوگئی مولانا تھانوی نے اسلام کی تعبدی حیثیت کو مضمحل نہیں ہونے دیا بلکہ حق یہ ہے کہ انھوں نے اس پر اتنا زور دیا کہ یک گونہ توازن پیدا ہوگیا اس بنا پر مولانا شریک تجدید ہیں مگر خود مستقل بالذات مجدد نہیں کیونکہ ایک مجدد میں جو اوصاف و کمالات موجود ہونے چاہئیں اور جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے ان میں سے بعض اوصاف مولانا میں نہیں ہیں ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ مولانا میں جو بعض کمالات موجود تھے وہ دوسروں میں نہیں تھے۔ اس بناء پر مستقل بالذات مجدد تو کوئی ایک بھی نہیں ہوا البتہ تجدید جماعتی ہوئی ہے اب ہم اپنے تبصرہ کو اسی پر ختم کرتے ہیں آخر میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ اس تبصرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے شروع کے دو نمبروں میں مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت قلم سے بعض نامناسب اور نازیبا الفاظ نکل گئے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ مولانا کے علم و فضل۔ تقویٰ و طہارت اور دوسرے کمالات کے ساتھ عقیدت شروع سے رہی ہے۔ چنانچہ مولانا کی وفات پر اسی برہان میں جو نظرات لکھے گئے تھے وہ اس کا ثبوت ہیں تاہم مولانا کی تشدد پسندی اور درشت مزاجی کی جو روایات برابر سننے میں آتی رہتی تھیں ان کا اثر یہ ہوا کہ قیام دیوبند کے زمانہ میں بارہا جی چاہنے کے باوجود مولانا کی خدمت میں حاضری کی جرأت کبھی نہیں ہوئی۔ جامع المجددین میں اسی طرح کے واقعات نظر سے گذرے تو یہ اثر اور قوی ہو گیا۔ چنانچہ تبصرہ کے نمبر اول و دوم میں طبیعت کا یہ اثر نمایاں ہے مگر پھر اسی زمانہ میں اشرف السوانح از اول تا آخر پڑھنے کا اتفاق ہوا تو وہ اثر یکایک غائب ہو گیا اور یہ محسوس ہوا کہ قصور مولانا کا نہیں بلکہ مولانا عبدالباری جیسے مولانا کے مریدوں کا ہے جنہوں نے مجدد ثابت کرنے کے شوق میں مولانا کے ان واقعات کو کچھ سے کچھ رنگ دے کر پیش کیا ہے۔ بہرحال اگرچہ غلط فہمی کی بنا پر ہی سہی میں مولانا کی روح پر فتوح سے ان الفاظ کی معذرت چاہتا ہوں اور ان پر نادم ہوں۔

سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

جس میں آسان اور دل نشین انداز میں سیرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہم واقعات کو بیان کیا گیا ہے دور حاضر کی مختلف سیرت نبوی کی کتابوں میں جامعیت کے اعتبار سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔

قیمت مجلد ۸/ بلا جلد ۳۲/

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

© rasailojaraid.com